© rasailojaraid.com

وہ مرتے دم تک احرار میں شامل رہے

نصر اللہ خان

عالم با عمل، درویش خدا مست، بے باک، نڈر، ادائیں قلندرانہ، جلال سکندرانہ، بارعب چہرہ، رنگ سپید سرخی مائل، آنکھوں میں جلال، چہرے پر جمال، لانبا قد، دہرا بدن، سر پر پٹے، گھنی داڑھی، بالوں پر (کسی زمانہ میں) مہندی لگاتے تھے۔ ان کی آواز میں بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج تھی۔ لمبا کھدر کا کرتا، پاؤں میں چپل ------ یہ تھے عطا اللہ شاہ بخاری جن کے بارے میں مولانا ظفر علی خان نے یہ شعر کہا تھا۔

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

آدھی عمر جیل میں گزار دی۔ فرنگی حکومت ان کے نام سے کانپ جاتی۔ جس شہر میں جاتے نوبت پر چوٹ پڑتی۔ اور نقارچی یہ اعلان کرتا کہ آج فلاں مسجد یا فلاں باغ میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کریں گے تو لوگ جوق در جوق جلسہ گاہ میں اس طرح پہنچتے جیسے عید کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ کیا بچے کیا جوان، کیا بوڑھے اور کیا عورتیں تاحد نظر مخلوق خدا نظر آتی۔ شاہ جی نماز عشاء کے بعد اپنی تقریر شروع کرتے۔ لاؤڈ سپیکر اور مائیکرو فون کا رواج نہیں تھا۔ اس زمانے میں مقرروں کے گلے میں لاؤڈ سپیکر ہوتا تھا۔ ان کی آواز ایک محلے سے دوسرے محلے میں پہنچتی تھی۔ اور شاہ جی کی آواز تو میلوں پہنچتی۔ شاہ جی نہ جانے کیا سحر کرتے کہ جب وہ بولتے تو لوگوں کو سانپ سونگھ جاتا۔ کسی کو پہلو بدلنے کا موقع نہ ملتا۔ لب بند ہو جاتے۔ ہنسانے پر آتے تو مجمع کشت زعفران بن جاتا۔ اور رلانے پر آتے تو خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ گریبان آنسوؤں سے بھیگ جاتے اور جب صبح کی اذان ہوتی تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ وقت کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

شاہ جی نے اگرچہ ساری زندگی پنجاب میں گزاری تھی۔ لیکن جب وہ تقریر کرتے تو ان کی زبان سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہاں کے ہیں۔ البتہ جب وہ تقریر کرتے کرتے پنجابی بولنے لگتے تو یہ معلوم ہوتا کہ وہ پنجابی ہیں۔ تلاوت اس طرح کرتے کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ یوں لگتا کہ جیسے خود قرآن بول رہا ہے۔ جب مثنوی مولوی ترنم سے پڑھتے تو لوگوں کو وجد آجاتا۔ بات یہ ہے کہ ہر بات ان کے دل کی گہرائی سے نکلتی تھی۔ تقریر کے دوران کبھی کبھی لطیفے بھی سناتے شاہ جی کا ہاتھ مجمع کی نبض پر رہتا جب وہ یہ دیکھتے کہ بات ذرا لمبی ہو رہی ہے تو وہ ہنسانے لگتے اور پھر اپنی بات پر آجاتے۔ فن خطابت تو شاہ جی پر ختم ہو گیا۔ ان کا حافظہ ایسا تھا کہ اردو فارسی، اور عربی کے ہزاروں اشعار انہیں یاد تھے۔ وہ اپنی تقریروں میں سیاست کے ایسے نکتے اور ایسے پہلو نکالتے کہ لوگ حیران رہ جاتے۔

اس زمانے میں بھی سیاست دانوں نے بہت کھایا کمایا تھا۔ لیکن شاہ جی کی حالت تھی کہ کپڑوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک جوڑا دھوتے اور دوسرا پہنتے۔ وہ اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ سردی کے موسم میں میں نے انہیں اپنی گدڑی سیتے دیکھا ہے۔ وہ بڑے دیانت دار تھے وہ جو کہتے کر دکھاتے۔ ان لوگوں کے پاس نہ پستول تھا اور نہ بندوق تھی۔ ان کے ہتھیار ان کی سچائی تھی۔ ان کا کردار تھا۔ اور ان کی پرتاثیر زبان تھی۔ وہ اپنی تقریروں سے توپوں کے منہ کیل دیتے۔ ساری زندگی جیل میں کاٹی مسجد شہید گنج کے انہدام سے شاہ جی اور مولانا ظفر علی خان میں اَن بَن ہو گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر حملے کرتے لیکن ایک دوسرے کا احترام بھی کرتے۔ شاہ جی کے بارے میں جہاں مولانا ظفر علی خان نے یہ کہا تھا کہ

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں!

تو جب شہید گنج کا مسئلہ کھڑا ہوا اور مولانا احرار کے خلاف ہو گئے تو مولانا نے شاہ جی کے بارے میں یہ بھی فرمایا۔

اک طفل پری رو کی شریعت فگنی نے
کل رات نکالا مرے تقویٰ کا دوالا

ایک مرتبہ میرے گھر کے سامنے شاہ جی تقریر کرنے کی غرض سے آئے۔ جلسے کے منتظمین نے مجھ سے کہا کہ شاہ جی تقریر کرنے سے پہلے تمہارے یہاں آکر بیٹھیں گے۔ میں نے کہا کہ شاید اس بات پر مولانا ظفر علی خان صاحب مجھ سے خفا ہو جائیں۔ لوگوں نے یہ بات شاہ جی کو بتائی تو وہ ہنس کر خاموش ہو گئے لیکن جب اس بات کا علم مولانا ظفر علی خان کو ہوا تو وہ بہت خفا ہوئے اور کہا کہ شاہ جی تمہارے لئے قابل احترام ہیں۔ ویسے میں بھی ان کا احترام کرتا ہوں۔ اب تم جاؤ اور شاہ جی سے معافی مانگو اور جب میں شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے معافی مانگنے لگا تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شاہ جی نے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور میرے لئے دعا کی۔ اور فرمایا میں تم سے خفا نہیں ہوں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔

شاہ جی کی من موہنی شخصیت جب بھی یاد آتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ جوش کا یہ شعر بھی یاد آجاتا ہے۔

ابھرے تو آندھی بپھرے تو طوفان
چٹکے تو غنچہ، لرزے تو شبنم

میں شاہ جی کا نیاز مند تھا۔ اکثر ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا۔ اور ان کی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے لطف اندوز ہوتا اور پھر جب کبھی ہمارے یہاں شب دیگ کا اہتمام ہوتا تو میں شاہ جی کو اپنے ساتھ لے آتا۔ کبھی کبھی شاہ جی بھی ہمیں بلوا لیتے۔ شاہ جی بہت خوش خوراک تھے۔

شاہ جی کی آدھی سے زیادہ زندگی جیلوں میں کٹی۔ وہ جس تحریک میں شامل ہو جاتے تو بڑی دلجمعی سے اس کے لئے کام کرتے۔ وہ پارٹیاں نہیں بدلا کرتے تھے۔ بلکہ اپنی پارٹی کو ڈھب پر لے آتے تھے۔ احراری

© rasailojaraid.com